© rasailojaraid.com

پروفیسر میاں انعام الرحمان

پاکستان میں دستوریت سے انحراف

اسباب کا فکری پس منظر' امریکہ اور برطانیہ کے تقابلی جائزے کے ساتھ

بے لگام خواہشوں کی دھماچوکڑی' انسان کی وسیع زندگی کے سیاسی اسٹیج پر اپنا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔ کم از کم پاکستان کی سیاسی تاریخ' ایسی ہی صورت حال کا بین ثبوت ہے۔

پاکستان میں دستوریت کی ابتداء' اس کے ظہور کے ساتھ ہی ۱۹۴۷ء سے ہوئی۔ تاریخ کے اعتبار سے یہ عہد' صنعت کے عروج کا عہد ہے اور صنعتی عہد کی تیز رفتاری اور فکری سطحیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یوں پاکستان کا ظہور تاریخ کے اعتبار سے دستوریت کے لیے مضبوط فکری بنیاد فراہم کرنے سے قاصر تھا۔ امریکہ اور برطانیہ میں صورت حال اس کے برعکس تھی۔ ۱۲۱۵ء کا میگنا کارٹا' ۱۶۸۸ کا شاندار انقلاب اور اس کے بعد مسودہ حقوق نہ صرف ارتقاء کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ زمانی اعتبار سے' زرعی عہد میں ہونے کی وجہ سے مضبوط فکری اور رواجی اساس قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ زراعت کا تعلق زمین سے ہے۔ بوجوہ ایسے عہد میں ثقافتی اور روایتی اٹھان موجود ہوتی ہے پھر زمین کا پیداواری عمل ایک فطری عمل ہے۔ اس فطری عمل کا انسان کے رویوں اور افعال پر ضرور کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے۔ برطانوی دستوریت کے آغاز میں لوگوں نے انفرادی اور اجتماعی' دونوں اعتبار سے اس اثر کو قبول کیا اور تیز رفتاری سے گریز کرتے ہوئے ارتقاء کے فطری عمل کو اپنا لیا۔ یہی اصول امریکہ (۱۷۷۶-۱۷۸۰ پہلی دس ترامیم سمیت) پر بھی' ایک حد تک لاگو ہوتا ہے۔

امریکی دستوریت کا آغاز خود امریکیوں کی طرف سے (برطانیہ کی طرح) ہوا۔ ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کا اعلان آزادی' مستقبل کی اساس فراہم کرتا ہے۔ لفظ آزادی' امریکی دستوریت کی مثبت جہت کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ ۱۷۸۱ء سے ۱۷۸۹ء تک کا زمانہ' "عبوری" کہلا سکتا ہے۔ اس عبوری عہد نے نہ صرف امریکیوں کے دستوری رویے کو مہمیز عطا کی بلکہ نظام حکومت کا بھی تعین کر دیا۔ امریکیوں نے برطانوی روایت سے گریز کرتے ہوئے پارلیمانی کی بجائے صدارتی اور وحدان کی بجائے وفاقی نظام اپنا لیا۔ فیصلہ سازی میں عبوری عہد کے تجربات نے اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان کو ایسا عبوری عہد نہیں مل سکا۔ ۴۷ء سے ۵۶ء تک جو عبوری دستور نافذ رہا' برطانیہ کا عطا کردہ تھا۔ اس کا پاکستان کی لیڈر شپ کے ذہن اور کاوشوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہمارے سیاست دانوں کو "دستوری فہم و فکر" کے لیے امریکیوں کی طرز پر عبوری عہد نہیں مل سکا۔

پھر امریکہ کو' جو کچھ بھی برطانیہ سے ملا وہ ان کی علاقائی ثقافت سے مختلف نہیں تھا کیونکہ امریکہ میں بہت بڑی تعداد میں یورپین اور برطانوی لوگ آباد تھے۔ اس پس منظر میں برطانوی نو آبادی دور' امریکی ثقافت کے تسلسل سے ہم آہنگ رہا اور برطانوی دستوری رویہ' امریکی دستوریت کے لیے امدادی عنصر کے طور پر موجود رہا۔ پاکستان میں صورت حال اس کے برعکس تھی۔ انگریزوں کی آمد سے قبل برصغیر' مغربی طرز کے دستوری اداروں سے ناواقف تھا۔

اس علاقے کا اپنا سیاسی نظام' علاقائی ثقافت اور رجحانات کے خمیر سے اٹھا تھا (چاہے وہ جیسا بھی تھا آخر امریکہ میں بھی غلامی کو ۱۸۶۵ء میں قانوناً ختم کیا گیا) اور ارتقاء پذیر تھا۔ انگریزوں کی آمد اور ان کا سیاسی رویہ علاقائی سیاسی و فکری تسلسل سے کوئی میل نہ کھاتا تھا۔ یہ برصغیر میں کرامویل کا عہد تھا اگرچہ اس کی نوعیت برطانوی کرامویل سے مختلف تھی۔ اگر انگریز برصغیر نہ آتے تو کم از کم سیاسی نظام کے اعتبار سے آج کا برصغیر بہت مختلف ہوتا۔ میرا قیاس ہے کہ اتنا تاریخی سفر طے کر کے اپنی کوئی نہ ہیئت متشکل کر چکا ہوتا۔ جیسا کہ خود برطانیہ کی تاریخ اس کے سیاسی ادوار کے ظہور کی تاریخ ہے۔ میں ہرگز دعویٰ نہیں کرتا کہ ہمارا سفر برطانیہ جیسے انجام سے ہمکنار ہوتا اور ہم کوئی پارلیمانی طرز کا نظام بنا لیتے۔ لیکن جیسا بھی ہوتا اس کی اصلاحات کیسی ہی ہوتیں وہ برصغیر میں دستوریت اور سیاسی استحکام کی ضمانت ضرور بنتا کہ اس نظام کے ڈانڈے اپنی تاریخ اور ثقافت میں پیوست ہوتے۔

کہتے ہیں' سپین کے برعکس' پاکستان' برصغیر میں "مسلم حکمرانی" کا تسلسل ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں چاہیے تھا کہ اس تسلسل کو دستوری اعتبار سے قائم رکھتے۔ ایک زندہ' باوقار اور حکمران قوم کی حیثیت سے اپنی تاریخ کو ۱۸۵۷ء سے شروع کرتے اور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیانی عرصہ کو اپنی دستوری تاریخ سے نکال پھینکتے۔ (جیسا کہ برطانیہ کا کرامویل عہد ہے) اور کالج اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں اپنی اس شناخت کا بھرپور اظہار کرتے تو میرا خیال ہے یہ دستوری و تاریخی تسلسل' ہمیں دستوریت کی طرف راغب کرتا اور اپنی آرزوؤں' خواہشوں اور افعال میں ایسی تاریخیت کی سرایت سے ہم ضرور دستور پسند قوم بن جاتے۔

لیکن پاکستان میں عملاً" اس کے الٹ ہوا۔ ہمیں ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا "کرامویلی عہد" حرف حرف یاد ہے۔ لیکن اپنی حکمرانی کے دستوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تاریخی تسلسل سے بالکل نا آشنا ہیں۔ سماجی سطح پر ہر فورم اور تعلیمی اداروں میں اسی کرامویلی عہد کا تذکرہ ہوتا ہے دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اختیاری مضمون کے طور پر بھی "تاریخ" میں یہی عہد زیادہ پڑھایا جاتا ہے۔ ہماری پچاس سالہ تاریخ گواہ ہے کہ سو سال کی یہ غیر ملکی تاریخیت، ہمارے رویوں کو "کراموبلی" بنانے میں ضرور کامیاب ہوئی ہے۔ دستور پسند تو کیا بناتی۔

ایک نکتہ قابل غور ہے کہ ۱۸۵۷ء سے اپنی تاریخ کو منسلک کرنے سے ۱۹۴۷ء کے بعد کسی بھی نئی دستوری ہیئت تک پہنچنے کے درمیانی عرصے کو ہم عبوری عہد کے طور پر لے سکتے تھے۔ امریکی طرز کا یہ عبوری عہد ہمیں مضبوط فکری و ثقافتی اساس فراہم کر سکتا تھا۔ ایسی اساس پر مبنی دستور کسی ایوب کی دسترس سے بہت دور رہتا۔ دوسرا نکتہ بھی اتنا ہی اہم ہے۔ ۱۹۴۷ء میں دستوری و سیاسی و تاریخی تسلسل قائم رکھنے سے بہت سارے ایسے مسائل شاید کبھی نہ ابھرتے جنہوں نے بعد ازاں پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ مثلاً" زبان کا مسئلہ۔ اپنے تاریخی و حکمرانی کے تسلسل کو قائم رکھنے میں یقیناً ہمیں اردو کو سرکاری اور قومی زبان تسلیم کرنا پڑتا۔ کیونکہ برصغیر میں کراموبلی عہد سے قبل اردو کو سرکاری زبان کا درجہ مل چکا تھا۔ طبقاتی نظام تعلیم (اردو میڈیم، انگلش میڈیم) کا وجود ہی نہ ہوتا۔ اور آج لوگوں کی بہت بڑی اکثریت نفسیاتی اعتبار سے مطمئن ہوتی کہ انہیں سماجی انصاف میسر ہوتا۔ ہمارے اکابرین، ادیب، شاعر، مدبر اور عوام الناس بھی، کراموبلی عہد کے دوران اردو فارسی سے خاصا لگاؤ رکھتے تھے۔ یہ در حقیقت اپنے تاریخی تسلسل کا شعوری اظہار تھا۔

برطانوی عہد کے دستوری رویے کو میراث کے طور پر قبول کرنے سے ہمارے قائدین دستور پسند نہیں بن سکتے تھے۔ کیونکہ کراموبلی عہد کا دستوری رویہ مقامی لوگوں کو بہلانے کے اصول پر مبنی تھا۔ اس میں تاریخیت یا دستوری اصولیت مفقود تھی۔ حتی کہ اپنے ارتقاء کی انتہائی شکل میں بھی (۳۵ کا ایکٹ) گورنر جنرل، مدار المہام تھا۔ کراموبلی عہد کے نام نہاد دستوری ارتقاء کے پیچھے حاکمیت اور مرکزیت کی نفسیات تادم آخر موجود رہی۔ ہمارے قائدین، اسی کے تسلسل کو ۱۹۴۷ء کے بعد بھی قائم رکھتے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کا تاریخی شعور کراموبلی عہد تک محدود ہے۔ آج پاکستان میں دستور پسندی سے گریز (عوام کی حد تک) حقیقت میں منفی دستوریت اور منفی تاریخیت کے خلاف نفرت کا عملی اظہار ہے۔

ایک بات قابل اطمینان ضرور ہے کہ بابائے قوم نے ماؤنٹ بیٹن کی بجائے خود گورنر جنرل بننے پر اصرار کیا اور ماؤنٹ بیٹن کی خواہش کے برعکس یونین جیک کو پاکستان کے جھنڈے میں کوئی جگہ نہیں دی۔ یہ رویہ نشاندہی کرتا ہے کہ تاریخیت ان کے لاشعور میں موجود تھی۔ لیکن ملال کی بات یہ ہے کہ قائد اس تاریخیت کو شعوری سطح پر نہیں لا سکے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پاکستان کی دستوری تاریخ بہت دلچسپ [illegible]

© rasailojaraid.com

ہے اس کا رشتہ ۱۸۵۷ء سے منسلک ہوتا۔

وقت سب سے بڑا استاد ہے۔ جس قوم کی تاریخ نہ ہو وہ مستقبل کی پیش بینی نہیں کر سکتی۔ امریکیوں نے عبوری عہد کے تجربوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ پہلے امریکی صدر جارج واشنگٹن نے ایسے ہی پس منظر کی وجہ سے بعض زبردست روایات کی بنیاد رکھی۔ (مثلاً" خود تیسری مرتبہ الیکشن کے لیے امیدوار کھڑا نہیں ہوا) پاکستان میں بابائے قوم نے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے مطلق العنان گورنر جنرل کی حیثیت سے کام کیا۔ دستور کے علی الرغم کابینہ اور وزیر اعظم کی حیثیت ثانوی رہی۔ پھر سربراہ ریاست ناظم الدین کا سربراہ حکومت وزیر اعظم بننا اور غلام محمد کابینہ کے ایک وزیر کا گورنر جنرل بنایا جانا (دستور فہمی کی حد تک) تاریخیت کے فقدان کو ظاہر کرتا ہے۔ پاکستان میں دستوریت کو "واشنگٹن" نہیں مل سکا۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کو امریکہ کا اعلان آزادی منظور ہوا۔ یہی دن آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس اعلان کے بعد تقریباً" چھ سال تک برطانوی افواج سے کھلم کھلا جنگ ہوئی۔ پاکستان کی صورت حال مختلف ہے۔ برطانیہ نے اعلان آزادی کیا اور وہی دن آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ (اگرچہ امریکہ کی آزادی کو بھی برطانیہ نے چھ سال بعد قبول کر لیا لیکن امریکیوں نے ۴ جولائی ہی کو آزادی کا دن قرار دیا۔ یہ تاریخیت کو ظاہر کرتا ہے)

اس اعتبار سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے حوالے سے ہمیں بھی آزادی کے دن کا تعین کرنا چاہیے تھا۔ اس سے یقیناً" تاریخیت کو تحریک ملتی۔ پھر برطانوی اور یورپین پس منظر کے باوجود، برطانیہ سے مختلف دستور بنانا امریکیوں کی "فکری خود انحصاری" پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے دستور سازی میں صرف اپنے تاریخی شعور پر بھروسہ کیا۔ بعض اصحاب کے مطابق خود قائد اعظم بھی پارلیمانی نظام کو برطانیہ کی حد تک کامیاب سمجھتے تھے۔ ان کی رائے میں پاکستان کے لیے صدارتی نظام زیادہ بہتر نظام تھا۔